مکالمہ بین المذاہب کے اسلامی اصول اور جدید مغربی فکر — ایک تحقیقی تجزیہ

ڈاکٹر عمر حیات☆

ABSTRACT

"Dialogue as a literary term is an effective form of understanding and communication. It is a way to understand each other, provided it is not one sided and based on principles, law of nature and ground realities. At present, great stress is shown towards dialogue

for solving different issues among the people and nations, but often in vain. At international scenario, there are some serious issues to be solved, especially between the west and the Muslim world requiring serious attention. In this regard, the west encourages the dialogue and debate but at the same time it wants so, acoording to self created principles and expresses prejudice for the Muslims, blaming them that they are anti dialogue community, while the situation is quite different. This is the historical fact which can never he denied that the Muslims have the brilient record of inter faith dialogue based on the principles given by Islam being the religion of Nature. The principles of dialogue presented by Islam make the dialoge fruitful with its real spirit. The following article is an effort to throw light on the topic."

تاریخی تناظر میں ''Dialogue'' کے ارتقاء پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ نے ایک ادبی اِصطلاح کی شکل میں پانچویں صدی قبل مسیح میں یونانی المیہ داستانوں کے ذریعے ترقی کی۔ Martin Buber کی کتب کی رُو سے مکالمے کی اِصطلاح کسی دوسرے کے وجود کے ہونے یا نہ ہونے کو شناخت کرنے کا ذریعہ ہے۔[1]

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علوم اِسلامیہ، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد

عرفِ عام میں مکالمہ (Dialogue) فریقین یا چند گروہوں کے درمیان ہونے والے مذاکرات کا نام ہے جس کے ذریعے افہام وتفہیم کے ساتھ کسی اختلافی یا متنازعہ فیہ مسئلے یا معاملے کے مناسب حل پر اِتفاق رائے پیدا کیا جا سکے۔ یہ معاملہ معاشی یا سیاسی وغیرہ نوعیت کا بھی ہوسکتا ہے اور مختلف مذاہب کے حوالے سے بھی۔

دینِ فطرت ہونے کے ناتے اسلام واحد دین ہے جو مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کا علم بردار ہے اس لیے کہ نسلِ انسانی کو بنیادی طور پر اُمتِ واحدہ کی حیثیت سے تخلیق کیا گیا تھا ''کان الناس امة واحدة''[2]

اور اس اُمتِ واحدہ کے لیے ایک ہی ضابطۂ ہدایت (الہامی ضابطہ) مقرر کیا گیا تھا۔

"فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُم مِّنِّی هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَایَ
فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِم وَلَا هُم یَحْزَنُونَ"[3]

تاہم مختلف داخلی وخارجی عوامل کے اثر انداز ہونے سے لوگوں نے باہم اختلاف کیا۔ انبیائے کرامؑ نے تاریخ کے ہر دور میں حقیقت حال کی وضاحت کی اور لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے مذہبی اختلافات اور شکوک وشبہات کو رفع کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ مگر نسلِ انسانی کا یہ المیہ رہا ہے کہ اکثریت پیغام حق سے روگردانی کرتی رہی۔ ''اکثر الناس لا یومنون''[4]

تقاضائے فطرت سے رُوگردانی کے نتیجے میں اُمتِ واحدہ اور ضابطہ واحدہ کے تقاضے مجروح ہوئے اور نسلِ انسانی اور اِس کو دیا گیا مذہب تقسیم در تقسیم ہوتے چلے گئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ الہامی ہدایت کا سلسلہ بدستور جاری رہا، یہاں تک کہ بعثتِ محمدی ﷺ کی شکل میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا جسے الہامی فیصلے کی رُو سے گزشتہ تمام ادیان و مذاہب اور شریعتوں پر غالب کرنے کے لیے مکمل کیا گیا۔

"ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق
لیظہرہٗ علی الدین کلہ"(۵)

یہ فیصلہ اپنے وسیع تر تناظر میں انتہائی جامعیت کا حامل ہے۔اس کی رو سے نسلِ انسانی کو اس کی اصل کی طرف لوٹانا، اس کے منتشر اجزائے ہستی کو باہم ملانا اور تمام اقوامِ عالم کو ان کی مشترک قدروں کے حوالے سے دعوتِ فکر فراہم کرنا مقصود ہے۔ یہ وہ عظیم تر مقصد ہے جس کے حصول کے لیے اسلامی تعلیمات کے اندر مکالمہ وابلاغ کا واضح، معقول اور جامع تصوّر پایا جاتا ہے جس کی وضاحت قرآنِ حکیم کی اکثر وبیشتر آیات سے ہوتی ہے۔ دونوں (مکالمہ اور ابلاغ) کی ایک ایک مثال ملاحظہ ہو:

"قل فلم تقتلون انبیاء اللّٰہ من قبل ان
کنتم مومنین"(۶)

(اے نبی ﷺ! ان (یہود ونصاریٰ) سے کہو کہ اگر تم مومن ہوتو اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو؟)

"یاایھاالرسول بلغ مآاُنزِلَ الیک من
ربک"(۷)

(اے رسول ﷺ! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ
کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کا ابلاغ کیجیے۔)

بعثت کا اصل مقصد ہی ابلاغ قرار پایا:

"فَإِن تَوَلَّوا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ"(۸)

ترجمہ: (اگر مخاطبین انحراف کریں تو کریں، آپ ﷺ کے ذمے تو
صرف یہ فریضہ ہے کہ کھلم کھلا پیغام پہنچا دیں)

اِسلام کا تصورِ مکالمہ طے شدہ اصولوں پر مبنی ہے جو فطرت سے قریب تر ہیں اور دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ ذیل میں ان کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ا۔ احقاقِ حق و ابطالِ باطل

دینِ فطرت اَبدی اور ہمہ گیر سچائیوں کا اَمین ہے۔ اس کی ہر ہر بات حق و صداقت پر مبنی ہے۔ اسلام کے تصورِ مکالمہ کا بنیادی مقصد بھی احقاقِ حق یعنی سچائی کو منظرِ عام پر لانا اور شیطان کے پیروکاروں اور باطل کے پجاریوں نے جس طرح حق و باطل کو باہم خلط ملط کیا اور سچائی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اسے بے نقاب کرنا یعنی حق و باطل کے درمیان حدِ فاصل قائم کرنا ہے۔ اس کی وضاحت قرآنِ حکیم میں یوں فرمائی گئی ہے کہ:

"وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ
كَانَ زَهُوقًا"(۹)

(اے نبی ﷺ! کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔
بے شک باطل مٹنے ہی کے لیے ہے۔)

حق و باطل میں تمیز ہی اصل تمیز ہے جو اللہ کا دین دیگر مذاہب کے دعویداروں پر پیش کرتا ہے اور باقاعدہ ڈائیلاگ کے ذریعے ان کو حق شناسی کی دعوت دیتا ہے۔

”قل یا اھل الکتٰب لاتغلوافی دینکم غیرالحق ولاتتبعوا اھوآء قومٍ قدضلّوا مِن قبلُ وَاَضلّوا کثیراً وضلّوا عن سوآءِ السبیل“(۱۰)

(اے نبی ﷺ !یہود ونصاریٰ سے کہو کہ سچائی کو چھوڑ کر اپنے دِین میں غلومت کرواوران لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جوقبل ازیں گمراہ ہوگئے اور بہت سوں کوگمراہ کرگئے اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے)

حکمت وموعظت

حکمت سے مرادفہم وفراست، دانائی اورخردمندی ہے ۔حکمت بنیادی جوہرانسانیت ہے جسے قرآن خیرِ کثیر سے تعبیر کرتا ہے ۔”ومن یوت الحکمۃ فقد اُوتِیَ خیراً کثیرا “(۱۱) اِسی کی بنیاد پر اِنسان ایمان دار رہوتا ہے،ایمان کے تقاضے پورے کرتا ہے،حق و باطل میں تمیز کے قابل ہوتا ہے،موقع بہ موقع درست اور مناسب بات کرتا ہےاورصحیح تر نتیجےاور فیصلے پر پہنچتا ہے ۔موعظت نصیحت اور سبق آموزی کوکہا جاتا ہےاوراس کے لیے بھی حکمت ہی درکار ہوتی ہے ۔حدیثِ نبوی ﷺ کی رُو سے حکمت کی بنیاد تقویٰ یا اللہ کا خوف ہے ”رَاْسُ الحکمۃِ مخافۃ اللّٰہ“

خیرِ کثیر یعنی حکمت ودانائی سب سے زیادہ انبیاء ورُسل علیہم السلام کوعطا ہوئی اوراسلامی تصوّرِ مکالمہ بین المذاہب کااصول قرار پائی ۔ارشاد ہوا:

”اُدْعُ اِلٰی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالّتی ھِیَ اَحْسَن“(۱۲)

(لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور
موعظہ حسنہ کے ساتھ بلاؤ اور بہت اچھے
طریقے سے ان سے بحث ومناظرہ (مکالمہ) کرو)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے معارف القرآن کے مؤلف نے تحریر کیا ہے کہ:

''بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ تین
چیزیں مخاطبین کی تین قسموں کی بناء پر ہیں۔ دعوت
بالحکمہ اہلِ علم وفہم کے لیے، دعوت بالموعظہ عوام کے
لیے، مجادلہ ان لوگوں کے لیے جن کے دِلوں میں شکوک و
شبہات ہوں یا جو عناد اور ہٹ دھرمی کے سبب بات
ماننے سے منکر ہوں۔''(۱۳)

حسنِ استدلال

استدلال سے مراد اپنے مؤقف کی تائید میں دلیل پیش کرنا اور دوسروں سے ان کے موقف پر دلیل طلب کرنا ہے۔ دلیل کے بغیر کوئی بھی دعویٰ بے بنیاد ہوتا ہے۔ بے دلیل دعوے کرنا اور محض بحث وتکرار کے ذریعے اپنا مؤقف دوسروں پر ٹھونسنا دھونس پر مبنی رویہ ہے جو غیر فطری ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ منفی ہو
تا ہے۔ اِسلام دِینِ فطرت ہے جو نہ صرف استدلال بلکہ حسنِ استدلال کی زبان میں بات کرتا ہے تا کہ زیرِ بحث معاملہ منطقی انجام سے ہمکنار ہو جائے۔ انبیائے کرامؑ نے بحث ومکالمہ کرتے وقت حسنِ استدلال کو ایک اصول کے طور پر پیشِ نظر رکھا۔ قرآنِ حکیم میں ایسی مثالیں بیان ہوئی ہیں اور اِس سلسلے میں حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کے درمیان ہونے والا مکالمہ خصوصی اہمیت کا

حامل ہے۔

"فَاِنّ اللّٰہ یات بالشمس مِن المشرق فاتِ
بھامِن المغرب فَبُہِتَ الذی کفر"(۱۴)

یعنی جب نمرود نے اللہ کی قدرت کی یہ نشانی کہ وہ زندگی اور موت دیتا ہے اپنی خودسری کے باعث قابلِ توجہ نہ سمجھی تو ابراہیمؑ نے حسنِ استدلال کے ذریعے اسے بے بس کر دیا۔ مولانا سیوہاروی اس پر اپنا تبصرہ کرتے ہیں کہ:

''تاہم ابراہیمؑ نے سوچا کہ اگر میں نے اس موقع پر موت و حیات کے دقیق فلسفہ پر بحث شروع کر دی تو نمرود کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ اور وہ جمہور کو مغالطے میں ڈال کر معاملے کو اُلجھا دے گا۔۔۔ اور تبلیغِ حق کے سلسلے میں سرِ محفل نمرود کو لاجواب کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا کرے گا کیونکہ بحث و مباحثہ اور جدل و مناظرہ میرا اصل مقصد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے دماغ و قلب میں خدائے واحد کا یقین پیدا کرنا میرا مقصد وحید ہے۔ اس لیے انھوں نے اس دلیل کو نظر انداز کر کے سمجھانے کا ایک دوسرا پیرایہ اختیار کیا اور ایسی دلیل پیش کی جس کا صبح و شام ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔''(۱۵)

اِسی طرح اسلام کے تصوّرِ مکالمہ میں دوسروں سے بھی تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے

مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے دلیل پیش کریں۔

"قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین"(۱۶)

(کہو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی کوئی د

لیل لاؤ)

جبر و اکراہ سے احتراز (رواداری)

مکالمے کے اسلامی تصوّر میں رواداری اور وسعتِ نظری بھی ایک اصول کے طور پر کارفرما ہے۔ دوسروں کے وجود کو برداشت کیا جاتا ہے۔ انھیں اپنا مؤقف پیش کرنے کا حق دیا جاتا ہے اور ان پر اپنا مؤقف اور نکتۂ نظر پیش کیا جاتا ہے، زبردستی ٹھونسا نہیں جاتا کیونکہ ایسا کرنا خلافِ فطرت ہے، جب کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ قرآن کا واضح اعلان ہے کہ:

"لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغیّ"(۱۷)

(اللہ کے دین میں جبر نہیں، ہدایت گمراہی سے الگ ہو

چکی ہے۔)

اسلام رواداری کا قائل ہے۔ اس کے فلسفۂ رواداری میں دوسروں کے لیے بھی دعوتِ فکر ہے جس کے ذریعے بین الاقوامی معاشرے کو وحدت اور امن سے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اسلام دوسروں کے ساتھ "Dialogue" کے سلسلے میں اس بات کو بہت اہمیت دیتا ہے۔

عبدالحمید احمد ابوسلیمان لکھتے ہیں کہ:

"قرآنی ہدایات کی

پروردہ مسلمانوں کی تاریخی رواداری اور وسعتِ قلب کو انسانوں
کے درمیان رابطہ اور تعلق کی تمام ممکنہ راہوں کو ازسرِ نو
کھولنے کا ذریعہ بننا چاہیے۔"(۱۸)

دلآزاری سے احتراز

اسلام ہر صورت میں حقائق کو منظرِ عام پر لانا چاہتا ہے لیکن اس انداز سے کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو بلکہ فریقِ مخالف سے ایسے عالمانہ، محققانہ اور اعلیٰ اخلاق پر مبنی اندازِ گفتگو اختیار کیا جائے کہ وہ جذباتی ہوئے بغیر اپنے رویے پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور ہو جائے۔ چنانچہ اسلام میں اس سلسلے میں دُور اندیشی سے کام لینے کی اس قدر تاکید ہے کہ فرمایا گیا:

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا
لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ
فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ"(۱۹)

ترجمہ: (مشرکین جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں اُن کو گالی نہ دو
تاکہ وہ بغیر سمجھے دشمنی کرتے ہوئے اللہ کو برا بھلا نہ کہیں،
ہم اسی طرح سے ہر قوم کا عمل اُس کے لیے مزین کر
دیتے ہیں۔ پھر اُن کا مرجع اللہ کی طرف ہے تب ہم اُن کو
بتائیں گے جو جو وہ کرتے رہے)

کفار سے مکالمے کے سلسلے میں یہ ممانعت احتیاط کے نکتہ نظر سے ہے جو اسلام کی

وسعتِ نظری کی بھی دلیل ہے ورنہ کفر وشرک علامات شرک اور مشرکین کی برائی اور مذمت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں کفر وشرک اور باطل کے پجاریوں کی مذمت میں بہت سخت الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں لیکن ان کا مقصد اصلاح احوال ہے دل آزاری نہیں۔

صاحب معارف القرآن تحریر کرتے ہیں کہ:

''آیاتِ قرآنی میں جہاں کہیں ایسے الفاظ

آئے و

ہ بطور مناظرہ کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے وارد ہوئے ہیں

وہاں کسی کی دلآزاری نہ پیشِ نظر ہے اور نہ کوئی سمجھدار

انسان ان سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس میں بتوں کو برا

کہنا یا مشرکین کو چڑانا منظور ہے۔''(۴۰)

مشترک قدروں کا فروغ

اتحاد واتفاقِ رائے کا انحصار بالعموم ان باتوں پر ہوتا ہے جو سب کے لیے قابلِ قبول ہوں لہٰذا ایسی باتوں اور قدروں کو تلاش کرنا اور ان کو فروغ دینا بہت ضروری ہے جو مشترک حیثیت کی حامل ہوں۔ دینِ اسلام اقوامِ عالم پر ایسی قدریں پیش کرتا ہے اور اسلام کے تصورِ مکالمہ بین المذاہب میں یہ بات بھی ایک اصول کے طور پر پائی جاتی ہے۔

"قل یاھل الکتٰب تعالوا الٰی کلمۃٍ سوآءٍ

بیننا وبینکم الّا نعبد الّا اللّٰہ ولا نشرک بہٖ

شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون

اللّٰہ"(۴۱)

نکتہ توحید تمام تر الہامی تعلیمات میں بنیادی قدرِ مشترک کی

حیثیت رکھتا ہے، تمام انبیاء ورُسل علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو سب سے پہلے اور تکرار کے ساتھ توحید ہی کی تعلیم دی اور شرک سے بیزاری کا اِعلان کیا۔ مذاہبِ عالم کی تحقیق سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بنیادی طور پر ان میں ایک خدا کی پرستش کا تصوّر اور عقیدہ موجود رہا ہے۔ یہ ایسا مضبوط رشتہ ہے جس کی بناء پر مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو باہم قریب لایا جا سکتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اور بھی بہت سی مشترک باتیں ہیں مثلاً سب کا خالق برحق ایک ہے، اُس نے نسلِ انسانی کو ایک جان سے پیدا کیا، سب کے لیے ایک ہی دِین (ضابطہ) مقرر کیا اور بالآخر سب کو اُسی کی طرف رجوع کرنا ہے وغیرہ وغیرہ، دِینِ اسلام اِن سب مشترک قدروں کو اُجاگر کرتا ہے، ان کو فروغ دیتا ہے اور اقوامِ عالم پر یہ حقائق پیش کرتا ہے۔

اصولی مؤقف پر استقامت

اسلام میں اصولوں پر سمجھوتے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ یہ فطرت اور عظمتِ دین کے منافی بات ہے۔ تاہم بحث ومکالمہ اسلام کا اصولی مؤقف ہے جسے حکمت ودانائی کے ساتھ پیش کرنا دین کا اہم تقاضا ہے۔

خرم مراد جاہ 'سیرتِ نبوی ﷺ کے حوالے سے دشمنانِ دین کے خلاف حکمت آمیز رویے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دوسرے یہ کہ ہر لمحہ اللہ کی طرف بلانے کا
> کام اوّل
> رہا' وہاں اللہ کے علاوہ جن کو بھی انسان نے خدا بنایا تھا یا
> جو انسان خود انسانوں کے خدا بن بیٹھے تھے' یا جو قوتیں اور
> ادارے خدا سے بغاوت پر مبنی تھے' ان سب کے خلاف
> آپؐ نے تنقید اور جہاد کا کام کیا۔ اُن میں سے کسی کے

ساتھ مصالحت وشرکت نہ کی' ان میں سے کسی کو کوئی جواز
فراہم نہ کیا۔ اگر چہ یہ سارا کام بڑی حکمت ' انسانی
جذبات کے لحاظ اور اخلاقی اصولوں کی پابندی کے ساتھ
ہوا' لیکن اس میں ڈھیل نہ دی گئی ۔ براہِ راست نام لینے
سے اجتناب' گالی سے پرہیز' بتوں تک کے خلاف دشنام
طرازی سے اِحتراز' یہ سارے اخلاقی اصول برتے گئے
لیکن بقائے باہمی (Co-existence) پر
آپ ﷺ راضی نہ ہوئے۔۔۔ بت پرستی
(Idolatory) کی نوعیت کچھ بھی ہو آپ ﷺ نے سب
پر ضرب لگائی ۔"(۲۲)

مکالمہ (Dialogue) محض نظریے سے ہٹ کر ٹھوس ثبوت کی بنا پر دلائل کی زبان میں بات کرنے کا نام ہے تا کہ حق و باطل کے درمیان فرق منظر عام پر آ جائے۔ "قصص القرآن" کے مؤلف نے اپنے تجزیے میں تحریر کیا ہے کہ:

"جب دو فریق کسی مسئلے میں اختلاف کر بیٹھتے
ہیں تو احقاقِ حق کے لیے مناظرانہ دلائل میں سے دلیل کا
یہ بھی طریقہ ہے کہ اپنے دعوے کے ثبوت میں صرف
نظریوں (Theories) سے کام نہ لیا جائے بلکہ مشاہدہ
اور معائنہ کی ایسی راہ اختیار کی جائے کہ مخالف اس کے
دعوے کے مقابلے میں لاجواب ہو جائے۔ اس کی دلیل
کے رد کرنے کی تمام راہیں اس

کے سامنے بند ہو جائیں اب اگر اس میں سلامت روی
باقی ہے اور اس کے قلب میں قبول حق کی گنجائش ہے تو وہ
اُس کو قبول کر لیتا ہے ورنہ بے دلیل لڑنے اور جھگڑنے پر
آمادہ ہو جاتا ہے۔ تب اس طرح حق و باطل میں امتیاز ہو
جاتا ہے اور اصلی اور حقیقی بات کھل کر صاف ہو جاتی
ہے۔"(۲۳)

تاریخ میں ایسے واقعات بھی مذکور ہیں کہ جب مکالمے کے نتیجے میں سچائی کو تسلیم کیا گیا اور ایسے بھی کہ جب ٹھوس دلائل کی تاب نہ لاتے ہوئے مخالفین نے راہِ فرار اختیار کرنے کے لیے تشدد کا سہارا لیا۔

عصرِ حاضر کی مغربی فکر میں مکالمہ (Dialogue) کی حیثیت

ایک مغربی مفکر "Heinz Hedler" اپنے ایک مضمون "The Islamistic challenge" میں لکھتا ہے کہ:

"اسلام خود چیلنج نہیں بلکہ اس کے اسلام
پسندانہ
انتہاپسندی کے مختلف پہلو چیلنج ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ
اسلام پسندوں نے اپنے پیشِ نظر جو نصب العین طے کر
رکھا ہے اس میں وہ موجود سیکولر لوازمات جو باہمی
رواداری پر مبنی ہیں، کو ختم کر کے بین الاقوامی نظام کو ناکارہ
بنانا چاہتے ہیں اور اس کی جگہ اسلامی عالمی برادری کا
متبادل مقدس ماڈل لانا چاہتے ہیں۔۔۔

مکالمہ چاہے کسی قسم کا ہو اسے ایک فریق کی
بالادستی کے لیے ایک خاص قسم کے سیاسی مذہبی ماڈل کے
عالمگیرانہ دعوے کے لیے استعمال نہیں ہونا چاہیے۔۔۔
مکالمہ مطالبات کو غلط طور پر تسلیم کیے بغیر۔۔۔اعتدال
پسند قوتوں کے ساتھ تعاون، اسلام پسندی کی فضا کے
خاتمے کے لیے بہترین طریقہ کار
لگتا ہے۔۔۔اگر یورپ نہیں چاہتا کہ اسلام ازم اپنے راستے خود
تجویز کرے اور نتیجتاً یہ اتنا بڑا ہو جائے کہ اس سے نبٹنا
مسئلہ بن جائے تو یورپ کو اس چیلنج کا سامنا کرنا
چاہیے۔"(۲۴)

مغرب سمجھتا ہے کہ اسلام پسندی کا رجحان انتہاپسندانہ ہے جو اس کے لیے چیلنج ہے۔ مغرب خود ''Islamism'' (اسلام پسندی) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور خود ہی اسے انتہاپسندی (Extremism) پر محمول کرتا ہے۔ جبکہ یہ دونوں متضاد اصطلاحات ہیں۔ انتہاپسندی، اسلام پسندی کے تقاضوں سے متصادم ہے۔ انتہاپسندی کا مطلب دینِ اسلام کے پیش کردہ عقائد ونظریات کے تقاضوں سے ٹکرانا ہے، جب کہ اسلام پسندی کا مطلب دینِ اسلام کے پیش کردہ عقائد ونظریات اور کردار وعمل کو پسند کرنا ہے۔ اسلامی نکتہ نظر سے یہ مسلمان پر لازم ہے کیونکہ وہ اسلام پسندی ہی کی بناء پر مسلمان بنتا ہے۔

مغرب کی نظر میں اگر مسلمانوں کی اسلام پسندی ایک منفی اور خطرناک رجحان ہے تو دنیا کے ہر مذہب کے ماننے والے اپنے مذہب کو پسند کرتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں، لیکن ان کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جاتا۔

اہلِ مغرب کے نزدیک یہ بات تشویش کا باعث ہے کہ

مسلمانوں کی ''اسلام پسندی'' بین الاقوامی نظام (World Order) میں سیکولرازم اور مادیت پر مبنی باتوں کے خلاف ہے۔ اس لیے وہ کسی ایسے مکالمے کے حق میں ہیں جس کا مقصد دنیا پر کسی ایک فریق کی بالادستی قائم کرنا نہ ہو۔

اس سلسلے میں مغرب کا فکر و عمل خود تضاد سے عبارت ہے کیونکہ وہاں دنیا کی واحد سپر پاور کو برقرار رکھنے کے لیے اس سے بہت کچھ زیادہ کیا جا رہا ہے جو کچھ اس کے قیام کے لیے کیا گیا تھا۔ جبکہ اسلام پسندی اس بات کے حق میں نہیں ہے کہ اقوامِ عالم پر کسی ایک گروہ یا فردِ واحد کو مسلط کر دیا جائے۔ اسلام پسندی تو خالقِ کائنات کے نظام کی بالادستی (Supermacy) کی علمبردار ہے، جو تمام مذاہب اور اقوامِ عالم کے درمیان قدرِ مشترک ہے۔ مکالمے کے نتیجے میں یہی موقف درست ثابت ہوتا ہے۔ بشرطیکہ ''Dialogue'' کو 'جانبداری' سے آزاد کر دیا جائے، دلائل کی روشنی میں ہر فریق مکالمہ کے مؤقف کو سمجھا جائے اور دھونس مسلط کیے بغیر سچائی کو تسلیم کیا جائے۔

مغرب میں مسلمانوں کی منفی تصویر کشی محض یک طرفہ پروپیگنڈا ہے جس کا اظہار خود مغربی دانشور بھی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ''Paul Lunde'' نے لکھا ہے کہ:

> "The images of the Islamic world that appear in the European and American press are almost invariably negative and associated with violence. The fact that the vast majority of Muslims lead normal lives and follow an eminently rational faith notable

for its emphasis on kindness, brotherhood, clemency, social justice and peace has been obscured by the political events of recent years.

The picture most Muslims receive of the west is often similarly skewed. The west is consistantly portrayed as bent on the exploitation of the rest of the world, a supporter of the enemies of Islam and an oppressor of the poor. The export image of western society, derived from films and television, is lamentable, and needs no commentary."(25)

ترجمہ: (یورپی اورامریکی پریس میں ظاہر ہونے والے عالمِ اسلام کے بارے میں تاثرات زیادہ تر منفی اور تشدد سے مربوط ہیں۔ یہ حقیقت کہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت معتدل زندگیاں گزارتی اور ایک نمایاں طور پر معقول عقیدہ رکھتی ہے جو کہ نرمی، بھائی چارے، رحم دلی، سماجی انصاف اور امن کی تاکید کی بدولت قابلِ ذکر ہے، حالیہ برسوں کے سیاسی واقعات کی وجہ سے نظر انداز کر دی گئی ہے۔

وہ تصویر جو عام طور پر مغرب کے بارے میں مسلمان دیکھتے ہیں اکثر ویسی ہی ٹیڑھی ہے کہ مغرب باقی دنیا کے استیصال پر تلا ہوا ہے' اسلام

کے

دشمنوں کا معاون ہے اور غریب ملکوں کو دبانے والا ہے۔ مغربی معاشرے کا برآمد کردہ تاثر جو کہ فلموں اور ٹیلی ویژن سے لیا گیا ہے قابلِ افسوس ہے جس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں)

مشرق و مغرب کے درمیان یک طرفہ پروپیگنڈا ایک دوسرے کے بارے میں بدظنی کو ہوا دیتا ہے اور ایسے حالات میں جب کہ ذرائع ابلاغ اپنا ایمانداری پر مبنی پیشہ وارانہ کردار ادا کرنا چھوڑ دیں، کوئی مکالمہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مکالمے کے اسلامی اصول ہی dialogue کے تصور کو اس کے صحیح تر تناظر میں اُجاگر کرتے ہیں اور انھی اصولوں پر مبنی مکالمہ اقوامِ عالم کے درمیان مضبوط رابطے اور ہم آہنگی پر منتج ہوسکتا ہے۔

حوالہ جات

1- Encyclopaedia of Americana (USA 1829) 9/56

۲۔ البقرہ (۲) ۲۱۳

۳۔ البقرہ (۲) ۳۸

۴۔ ہود (۱۱) ۱۷، الرعد (۱۳) ۱

۵۔ التوبہ (۹) ۳۳، الصّف (۶۱) ۹

۶۔ البقرہ (۲) ۹۱

۷۔ المائدہ (۵) ۶۷

۸۔ النحل (۱۶) ۸۲

۹۔ الاسراء (۱۷) ۸۱

۱۰۔ المائدہ(۵)۷۷

۱۱۔ البقرہ(۲)۲۶۹

۱۲۔ النحل(۱۶)۱۲۵

۱۳۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن (ادارۃ المعارف کراچی)۴۲۱/۵

۱۴۔ البقرہ(۲)۲۵۸

۱۵۔ سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، مولانا، قصص القرآن (خواجہ محمد اسلام ادارہ اشاعت دینیات لاہور س ن)۱۹۱/۱

۱۶۔ البقرہ(۲)۱۱۱

۱۷۔ البقرہ(۲)۲۵۶

۱۸۔ ابوسلیمان، احمد عبدالحمید، اسلام اور بین الاقوامی تعلقات (فینس بکس لاہور طبع دوم ۱۹۹۱ء)، ص ۲۳۵

۱۹۔ الانعام(۶)۱۰۸

۲۰۔ ایضاً، معارف القرآن، ۴۲۰/۳

۲۱۔ آل عمران(۳)۶۴

۲۲۔ جاہ، خرم مراد، اسلامی قیادت سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینے میں (اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۵ء) ص ۲۳، ۲۴

۲۳۔ ایضاً، قصص القرآن (مکتبہ رحمانیہ لاہور س ن)۱۴۳/۱

۲۴۔ ہینز ہیڈلر، اسلام پرستوں کا چیلنج، ترجمہ و تلخیص: سجاول خان رانجھا، سہ ماہی مغرب اور اسلام (انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد، اپریل/جون ۱۹۹۹ء) ص ۶۶۔۶۷

25- Paul Lunde, Islal (Faith, Culture History) (Dorling-Kindersley London, New York etc. 2002) P:11